پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک
وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی
بہاولپور

شعر جاہلی کے اغراض و فنون

ایک تنقیدی جائزہ

قوموں کو اپنے زمانۂ عروج میں اپنے ہمسایوں سے جنگ و جدال کا سابقہ پڑتا ہے تاکہ وہ اپنی سرزمین کا دائرہ وسیع اور ارکانِ سلطنت کو مضبوط کر لیں۔ اس لیے انہیں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ بوقتِ جنگ اپنے شہسواروں میں حمیت کی روح پھونک دیں ، اُن کے دل بڑھائیں ، ان میں قوم اور ملک پر فدا ہونے کا جذبہ پیدا کر دیں۔ اور اُن کے بعد اُن کے جنگی کارناموں اور شجاعت کے گن گائیں۔ اس لیے وہ ایسے شعر کہتے ہیں جو دلیری اور جانبازی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اُن میں اپنی لڑائیوں اور معرکوں کا تذکرہ اور اپنے بہادروں اور جانبازوں کے کارناموں کا ذکر ہوتا ہے۔

اس کے بعد قوم کے شباب کا زمانہ آتا ہے جس میں جذبات اور طبعی میلان بھی جوان ہو جاتے ہیں اور یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اپنے دلی جذبات اور تصورات و تخیلات کو جو اب تک پوشیدہ تھے ظاہر کر دیا جائے۔ اس وقت شعر موسیقی و غنائی کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی کی ایک قسم شعر نفسی بھی ہے جس میں ایک خاص نفس کے جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ غزل ، فخر ، اور مرثیہ اسی میں شامل ہیں۔

جب قوم کا عہد شباب گزر جاتا ہے۔ اور افکار و خیالات میں بلندی پیدا

ہو کر تجربات ِ کثیرہ کی بنا پر دنیا کی بے ثباتی ، اور اس کا فریب نظر کے سامنے آ جاتا ہے تو اس وقت شاعر نصیحت آمیز اشعار نظم کرتا اور اجتماعیات کا سبق دیتا ہے -

جب قوم کا زمانۂ تمدن دراز ہو کر اُس کے وطنی تفاخر اور مشہور وقائع پر مدت ِ مدید اور عرصۂ دراز گزر جاتا ہے اور قوم کے تنزل کا دور شروع ہو جاتا ہے تو پھر قوم طاؤس و رباب کے نغموں میں محو ہو جاتی ہے -

آ تجھ کو میں بتلاؤں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اس زمانے میں شاعر زمانہ عروج کی یاد کو تازہ کرتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کسی شخص کے دل میں عہد طفولیت کی یاد کو تازہ کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے - اور اپنی قوم کو ایسی باتیں تلقین کرتا ہے جو ان کی حالت اور صفت کے مطابق ہوتی ہیں -

ان عام اقسام کے علاوہ شعر کی اور بہت سی فروعات ہیں جن میں سے بعض تو ان انواع ِ اربعہ میں مشترک اور شامل ہیں مثلاً وصف - اور بعض شعر ِ غنائی سے تعلق رکھتی ہیں جیسے زہد ، مدح ، اور ہجو - اور بعض شعر ِ تمثیلی میں داخل ہیں جیسے امثال -

شعر ِ جاہلی

یہ نظریہ تو طے شدہ ہے کہ عربی شاعری کی ابتدا چھٹی صدی عیسوی سے بہت پہلے ہو چکی تھی - کیونکہ جو شخص مہلہل ، شنفریٰ ، اور تابّط شرّا کے شعر پڑھتا ہے جو پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل کے شعراء ِ نابغین میں سے ہیں تو اسے اُن کی فصاحت و بلاغت اور بندش کی چستی اور سلاست و روانی کو دیکھ کر اس بات کے کہنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا کہ یہ لوگ وہ نہیں جن سے عربی شاعری کی ابتدا ہوئی[1] - بلکہ اس سے مدتوں پہلے شعرگوئی کی ابتدا ہو چکی تھی -

اسی نظریہ کے پیشِ نظر بعض مستشرقین[۲] کہتے ہیں کہ چھٹی صدی کے فصیح و بلیغ قصائد اس امر کی دلیل ہیں کہ شعر گوئی کا عمل اس سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا ۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

شعراء جاہلیت کا خود اپنا کلام بھی شعرِ عربی کی قدامت کا شاہد ہے ۔ چنانچہ عنترہ کہتا ہے ۔

"ھل غادر الشعراء من متردم"[۳]

اور امرؤ القیس جسے عام طور پر عربی شعرگوئی کا آدم سمجھا جاتا ہے ۔ عربی کے ایک قدیم شاعر کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

عوجا علی الطلل المحید لعلنا
نبکی الدیار کما بکی ابن خذام[۴]

سیوطی"[۶] مُزھر میں لکھتے ہیں کہ "ابنِ خذام قبیلہ طی کا ایک اہم شخص تھا ۔ اور ہم نے اس کے وہ اشعار نہیں دیکھے جن میں وہ کھنڈرات پر رویا ہے ۔ اور نہ امرؤ القیس کے اس شعر کے سوا کسی اور جگہ اس ہے ذکر آیا ہے"[۵]

لیکن یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ عربی زبان کی ترقی کا جو مفہوم ہم آج سمجھتے ہیں وہ چھٹی صدی سے پہلے مفقود تھا ۔ کیونکہ عرب کے مختلف بازاروں خصوصاً سوق عُکاظ کے باعث زبان میں یکسانیت شروع ہوئی تھی ۔

بعض لوگوں کو ان بازاروں کے قیام اور زبان میں ان کی تاثیر سے تعجب ہوتا ہے ۔ لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں ۔ کیونکہ خرید و فروخت کے لئے بازاروں کا قیام ہر قوم اور ہر عہد میں چلا آیا ہے ۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں میل ملاپ کے ذرائع آسان نہ تھے ۔ اس لیے خاص خاص تیوہاروں اور میلوں میں مقررہ مقامات پر لوگوں کا اجتماع ہوتا تو وہاں ہر قسم کی مصنوعات اور علاقے علاقے کی پیداوار فروخت کے لیے پیش ہوا کرتیں ۔ اس قسم کے اجتماع تاریخ میں نادر نہیں بلکہ عام طور پر ہوتے رہے ہیں اور خود تاریخ ہند ان کے ذکر سے خالی نہیں ۔ وہ لوگ جب

خرید و فروخت سے فارغ ہوتے تو پھر لہو و لعب میں مصروف ہو جاتے تھے۔ گیت گائے جاتے اور شاعر اپنے اپنے قصیدے سناتے۔ نوجوان اپنی اپنی بہادری کے کرتب دکھاتے۔ اور بعض اوقات رقص و سرود میں بھی مصروف ہوتے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب میں بھی اس قسم کے کئی میلے لگتے تھے۔ جن میں اطراف عرب سے مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے۔ ایسے اجتماعات کو وہ "اسواق" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ یہ بازار یا میلے سال بھر مختلف مقامات میں لگتے رہتے تھے۔ اور سال کا کوئی مہینہ بھی ان سے خالی نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اوائل ربیع الاول میں دُومۃ الجندل بازار لگتا۔ پھر ربیع الثانی میں بحرین میں بمقام ہجر اجتماع ہوتا۔ جس کے متعلق عربی کی ایک مثال بھی مشہور ہے کمبضع التمر الی ھجر۔[7] جمادی الاولی میں عُمان میں بازار لگتا جہاں لوگوں کا قیام مہینے کے آخر تک رہتا۔[8] بعد ازاں جمادی الآخرہ کی پہلی تاریخ کو قلعۂ مُشقر میں لوگوں کا اجتماع ہوتا۔[9] پھر صُحار میں جاتے اور رجب کے چند ایام وہیں گذارتے[10]، ان بازاروں میں سے ایک کا نام شِحر تھا جو عمان اور عدن کے درمیان واقع تھا۔ یہ بازار ماہ شعبان کی ۱۵ تاریخ کو لگتا تھا۔ اس کے بعد پھر عدن میں اجتماع ہوتا۔ بعد ازاں نصف رمضان تک صنعا میں لوگ جمع ہوتے۔ جب ذوالحجہ کا چاند نظر آتا تو پھر ذوالمجاز اور ذوالمجنہ کے بازار قائم ہوتے۔ یہ دونوں مقام مکہ کے قریب ہیں اور ان میں لوگوں کا اجتماع ایامِ حج میں ہوتا تھا۔[11]

ان بازاروں کو ایک طرح کی نمائش کہنا چاہیے، جن میں لوگ جزیرۂ عرب کی مختلف اطراف سے جمع ہوتے تھے۔ اور وہاں ان میں سے بڑا اور بارونق بازار سوق عکاظ تھا۔ جس کا محلِ وقوع طائف اور نخلہ کے درمیان ایک نخلستان[12] میں تھا۔ ماہ شوال اور بقولے[13] ماہ ذوالحجہ میں ہر طرف سے لوگ اس میں جمع ہوتے تھے۔ یہ بازار قریباً ایک ماہ تک قائم رہتا تھا۔ اسی بازار کے متعلق ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدۃ ایادی نے اپنا جو مشہور خطبہ دیا تھا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اور حضرت

ابو بکرؓ نے اپنی یاد سے وہ پورا خطبہ بیان کیا تھا ۔ مولانا شبلی مرحوم نے سیرت النبی میں ان سب روایات کو موضوع اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے[۱۴]۔ اس بازار میں نابغہ کا خیمہ نصب ہوتا تھا اور وہ شعراء میں حکم بنتا تھا[۱۵]۔ یہاں مختلف اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی اور لوگ اپنی اپنی ضروریات مہیا کر لیتے ۔ شعراء بھی اس اجتماع کو غنیمت سمجھتے کیونکہ ایسے ملک میں یہ موقعہ نادر ہوتا جہاں لوگوں کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے ادھر اُدھر متفرق ہونے کی ضرورت پڑتی ہے ۔ اور پھر وہ عام مجمعوں میں جہاں مشاہیر جمع ہوتے اپنے اپنے قصیدے پڑھتے۔ قریش کی بود و باش بھی چونکہ اسی علاقے میں تھی اس لیے ایسی مجالس کی صدارت انہیں کے سپرد ہوتی تھی ۔ اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس رائے کا اظہار کرتے سب لوگ اسے تسلیم کر لیتے ۔ بنا بریں شعراء نے وہی الفاظ اختیار کرنے شروع کر دئے تھے جو سب قبائل میں مالوف اور لغتِ قریش کے مطابق تھے ۔ تا کہ اُن کے اشعار قریش کی نگاہ میں جو وہاں حکم ہوتے تھے وجہٗ استحسان حاصل کر لیں ۔ اور سب لوگ انہیں پسند کریں ۔ اس طرح مختلف قبائل کی زبانوں اور لہجوں میں یکسانیت پیدا ہونے لگی ۔ اور وہ زبانیں لغت قریش کے قریب تر آ گئیں[۱۶] ۔ اور ایک بین الاقوامی زبان پیدا ہو گئی تھی جسے سب قبائل سمجھتے تھے ۔ شعراء اسی زبان میں شعر کہتے تھے ۔ کیونکہ یہ ایک نامعقول سی بات ہے کہ شعراء ان بازاروں میں جہاں اس قدر مجمع ہو اور مختلف قبائل اور مختلف اطراف سے لوگ جمع ہوں اس زبان میں شعر کہیں جسے سب قبائل نہ سمجھ سکیں[۱۷]۔

سوق عکاظ میں شاعروں کی شعر خوانی کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے حضرت حسان کہتے ہیں :

سا نشر ان بقيت لكم كلاماً   ينشر فى المجامع من عكاظ[۱۸]

اور خود قرآن حکیم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے ۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۰۰ میں ارشاد ہوتا ہے : فاذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم آباءكم او اشد ذكراً[۱۹] ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی یہ

عادت تھی کہ اعمالِ حج سے فارغ ہوکر وہ اپنے خاندانی مفاخر بیان کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ جب اس قول کو پیش نظر رکھا جائے کہ سوق عکاظ ماہ ذوالحجہ میں قائم ہوتا تھا تو ہو سکتا ہے کہ آیت مذکورہ میں سوقِ عکاظ کے اجتماع کی طرف ہی اشارہ ہو۔[٢٠]

مختلف اسواق کے اجتماعات کے علاوہ حج بھی مختلف قبائل کی زبان میں یکسانیت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ کیونکہ اس موقعہ پر مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے تھے اور قریش کے لب و لہجہ سے واقفیت حاصل کرتے اور خود قریش بھی ان کی زبان سے مستفید ہوتے تھے۔ اور ان کے سلیس اور مانوس السمع الفاظ کو اختیار کر لیا کرتے تھے۔[٢١]

اکثر ادباء متقدمین کا خیال ہے اور بعض اہل عصر بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ سوقِ عکاظ میں جو قصائد ممتاز قرار دئے جاتے انہیں کعبۂ مکرمہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ اور ایسے قصائد کو معلقات کہنے کی وجہ یہی ہے۔[٢٢] لیکن اس توجیہ کی بنیاد کسی قوی دلیل پر نہیں۔ بلکہ صحیح وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چونکہ یہ قصائد موتیوں کے ہار کی طرح قابل قدر تھے اس لئے انہیں معلقات کہتے تھے۔ اور اسی لیے انہیں سموط بھی کہا گیا ہے یا یہ وجہ ہے کہ جب وہ لوگ کسی قصیدے کو ترجیح دیتے تو کہا کرتے انہا من المعلقات۔ یعنی یہ اس قابل ہے کہ اسے اذہان میں آویزاں اور محفوظ کر لیا جائے۔[٢٣]

مذکورہ عارضی اسباب کے علاوہ اہلِ عرب کی طبائع اور ان کے ملکی حالات بھی نشو و نمائے شعر کے لیے ممد اور سازگار تھے۔ مثلاً صاف اور شفاف آسمان، پاک و صاف ہوا، بدوی زندگی، لوٹ کھسوٹ کے لیے جنگ و جدال، احوال معیشت سے بے پروائی، اور مستقبل سے بے فکری یہ سب باتیں انہیں شعر گوئی کی طرف مائل کیا کرتی تھیں۔[٢٤]

اس سلسلے میں جس چیز نے شعر کی نشو و نما اور اس کی ترقی میں خاص طور پر

مدد کی وہ مشہور معرکے اور وقائع تھے جو اس صدی میں واقع ہوئے۔ مثلاً حرب بسوس اور معرکۂ ذی وقار وغیرہ۔

مذکورہ بالا خیالات کی تائید ابن رشیق کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کتاب العمدہ میں لکھتے ہیں کہ ابتدا میں تو کلام نثر کی صورت میں تھا۔ مگر بعد ازاں جب عربوں کو یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ اپنے مکارم اخلاق کے گن گائیں، اپنی نسبی شرافت کو ظاہر کریں، اپنے ہنگاموں اور معرکوں کو شہرت دیں، اپنے قبیلے کے بہادروں اور سخی داتوں کا حال بیان کریں، اور لوگوں کو کرم و سخا کی طرف مائل کر کے اپنے بچوں میں اچھے اخلاق اور عادات کا جذبہ پیدا کر دیں۔ تو انہوں نے گانے کے لیے چند وزن ایجاد کر لیے اور اُن پر اپنے کلام کو موزوں کر کے اس کا نام شِعر رکھ دیا[۲۵]۔

عرب کی شاعری

جو شخص آغانی، عقد الفرید، مولفاتِ جاحظ، اور دیگر کتبِ ادب میں جاہلی عربوں کے قصے اور اُن کے حوادث متفرقہ مطالعہ کرتا ہے تو اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں شعرگوئی اتنی عام تھی کہ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور آزاد و غلام سبھی شاعر تھے۔ اور ان کی یہ مافوق الفطرت قابلیت ہر روایت، ہر خوش طبعی، اور ہر نادر بات میں ملتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ حماسہ کے مولف ابو تمّام کو قصائد کے علاوہ (۱۴۰۰۰) ارجوزے یاد تھے۔ اور حماد راویہ کو (۲۷۰۰۰) قصیدے ازبر تھے یعنی ہر حرف تہجی پر ایک ہزار قصیدہ یاد تھا۔ اصمعی کو (۱۵۰۰۰) ارجوزے ازبر تھے۔ ضمضم کو سو ایسے شاعروں کے شعر یاد تھے جن میں سے ہر ایک کا نام عمرو تھا[۲۶]۔

یہ مسلم ہے کہ عربوں کو شعرگوئی پر بڑی قدرت حاصل تھی کیونکہ ان کی زبان اپنے الفاظ و اسالیب اور معانی کے لحاظ سے ایک شعری زبان ہے۔ اور اُن لوگوں کا شعور نہایت رقیق اور سریع التاثر تھا۔ اور وہ دقیق تخیل کے مالک تھے۔ لیکن پھر بھی عقلِ سلیم اشعار کی اس تعدادِ کثیر کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ ماننا بھی مشکل ہے کہ بعض شعرا ایسے پُرگو تھے کہ بغیر کسی تیاری اور غور و فکر کے فی البدیہ ایک طویل قصیدہ کہہ دیتے تھے ۔ جیسا کہ عمرو بن کلثوم کے متعلق مشہور ہے ۔ اور حارث بن حلزہ کے متعلق بھی ایک ایسی روایت ہے کہ اُس نے بھی ایک طویل قصیدہ جو عمرو بن کلثوم کے قصیدے سے بھی مشکل بحر اور مشکل قوافی پر مشتمل ہے فی البدیہہ سنا دیا تھا[۲۷] ۔

قرین قیاس یہ ہے کہ یہ لوگ خوب غور و فکر سے اشعار کہہ کر انہیں منقح کر لیتے تھے ۔ اور پھر انہیں عام مجمعوں میں سناتے تھے ۔ چنانچہ زھیر بن ابی سُلمیٰ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سال بھر کے غور و فکر کے بعد اپنے قصائد لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتا تھا ۔ چنانچہ اس کے یہ قصیدے حولیات کے نام سے مشہور ہیں[۲۸]۔ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ خاص خاص حالات میں شاعر چند قطعات فی البدیہ کہہ لیتا ہو ۔

شعر و اشعار کا یہی شغل اور زبان قریش کے ساتھ مطابقت کی خواہش ہی قصائد جاہلیت کے بحور و قوافی اور زبان کی یکسانی کا باعث ہوئے ہیں ۔ حالانکہ مضر اور ربیعہ کی زبانوں اور جوازات شعریہ میں بھی اختلاف موجود تھا[۲۹]۔

نظم کی ابتداء

شعر کی ابتدا اور اُس کے وجود کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ امر انسانی فطرت میں داخل ہے کہ وہ غنا کو پسند کرتا ہے ۔ اور نغمات کی ترتیب اُس کے کانوں کو خوش آئند معلوم ہوتی ہے ۔ اور اس کے نفس کو اس سے سکون حاصل ہوتا ہے ۔ اور شعر اور غنا دراصل ایک ہی چیز ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی اور رومانی نظم شعراً یا صنع شعراً نہیں کہتے بلکہ غنیٰ شعراً (اس نے گایا) کہتے ہیں ۔ اور عرب بھی شعر خوانی کے لیے انشاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ان کے ہاں بھی شعر کو گا کر ہی پڑھا جاتا ہے ۔ چنانچہ اعشیٰ اپنے اشعار گا کر ہی پڑھا کرتا تھا اسی لیے اسے صناجۃ العرب کہا جاتا ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا

ہے کہ پہلے بلا وزن سجع گوئی کا آغاز ہوا ہوگا - چنانچہ کاہنوں کی ایسی مسجع عبارتیں اب بھی کتب ادب میں موجود ہیں - بعد ازاں کسی نے عمداً یا اتفاقاً بعض قطعات نظم کیے ہوں گے - جو اس کے کانوں کو بھلے معلوم ہوئے اور پھر کسی بدوی نے اپنے آونٹوں کی رفتار میں اس کا اثر دیکھ کر انہیں زیادہ مرتب طریق پر نظم کیا ہوگا بعد میں اس کا نام حُدا ہوا - پھر اسی میں توسُّع اور گونا گونی پیدا ہو کر شعر کہا جانے لگا[۳۰] -

علماء کا خیال ہے کہ سب سے پہلے بحر رجز میں شعر نظم کیا گیا ہے - اور یہ قول حقیقت سے بعید نہیں - کیونکہ یہ بحر سب سے آسان ہے اور ہم اسے موزوں سجع کہہ سکتے ہیں - عربوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے مضر بن نزار نے رجز کہا ہے - آونٹ سے گر کر اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو کہنے لگا (وایداہ وایدہ) چونکہ وہ بہت خوش آواز تھا آونٹ اس کی آواز پر مست ہوکر تیز چلنے لگے - عرب پھر اسی وزن کو حُدا کے لیے استعمال کرنے لگے - پھر ہوتے ہوتے اشعار کے باقی اوزان پیدا ہوتے گئے - اور زمانۂ جاہلیت کے عروج میں شعرگوئی میں بھی عروج ہوا - آدبا کا خیال ہے کہ اشعار کے مختلف اوزان کا ظہور پہلے پہل ربیعہ میں ہوا ہے - اور قصائد مہلہل کے عہد میں کہے گئے ہیں[۳۱] -

جاحظ کتاب الحیوان میں لکھتے ہیں کہ شعر حدیث المیلاد اور صغیرالسن ہے - اور سب سے پہلے اس کے راستے پر چلنے والا اور اس کو آسان کرنے والا امرؤالقیس ہے - مگر فرزدق کو جاحظ کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ کہتا ہے -

و مہلہل الشعراء ذاک الاول[۳۲]

ظن غالب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں شعر و شاعری کا زمانہ (۱۵۰) برس ہے اور یہ ترقی عہد ہجرت میں ختم ہوگئی - اگر ہم صرف شاعروں کے اشعار دیکھیں اور ان کی زندگی کو پیش نظر نہ رکھیں تو لبید ، خنسا ، حطیئہ ، اور عبدۃ بن الطیب کو شعراء جاہلین میں شمار کر سکتے ہیں - اگرچہ وہ عہد اسلام میں بھی زندہ تھے -

لیکن اُن کے اشعار عہد جاہلیت کی خصوصیات کے آئینہ دار ہیں ، اس کے برعکس حسان بن ثابت اور کعب بن زہیر وغیرہ کو جنہوں نے جاہلیت میں بھی شعر کہے جاہلی شعراء میں شمار نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی شعر گوئی کا شہرہ عہد اسلام میں ہوا ۔

شعر جاہلی کی صحت نسبت سے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا نظریہ

شعر جاہلی کے مختلف فنون و اقسام سے بحث کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن اشعار کے قائلین کی طرف اُن کے اشعار کی صحت نسبت پر بھی ایک نظر ڈالی جائے جنہیں ۱۳۰۰ سال سے بھی زائد عرصہ ہم سے جدا کرتا ہے ۔ اگرچہ بعض مستشرقین نے بھی شعر جاہلی کی صحت نسبت کے متعلق شک و شبہ ظاہر کیا ہے ۔ اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی لٹریچر کے پروفیسر مرغیوث اس معاملہ میں سب سے پیش پیش ہیں ۔ انہوں نے ایک جامع اور طویل مقالہ میں ان اشعار کے متعلق اپنا شک ظاہر کیا ہے ۔ خصوصاً اُن اشعار کے متعلق جن میں ایسے معانی و افکار درج ہیں جو قرآن میں موجود ہیں ۔ مگر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے جب سے اپنی کتاب موسوم بہ فی الشعر الجاہلی شائع کی ہے یہ معاملہ تحقیق کے نئے دور میں داخل ہوا ہے ۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ابتدا میں جزوی طور پر صرف اُن اشعار کے متعلق شک ظاہر کیا تھا جو مجنونِ لیلٰی کی طرف منسوب ہیں ۔ مگر ان کے اس شک سے وہ شور و غل پیدا نہ ہوا جو ان کی جدید کتاب نے پیدا کیا اولاً اس لیے کہ اس کتاب میں انہوں نے تمام شعرِ جاہلی کے متعلق شک ظاہر کیا ہے ۔ اور اس لحاظ سے ان کی یہ رائے گویا علم و ادب میں ایک جدید نظریہ پیش کرتی ہے ۔ اور پھر انھیں اس معاملے میں اتنا غلو ہے کہ بعض جاہلی شعراء کے اشعار سے ہی انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان شاعروں کے وجود سے ہی انکار کر دیا ہے ۔ اپنی کتاب فی الادب الجاہلی میں لکھتے ہیں "الکثرۃ المطلقۃ مما نسمیہ ادباً جاہلیاً لیست من الجاھلیۃ فی شیٔی ۔ و انما ھی منتحلۃ بعد ظہور الاسلام ۔" اس سے ذرا آگے

چل کر لکھتے ہیں : ولا اضعف عن ان اعلن الیک و الی غیرک من القراء ان ما تقرؤہ علے انہ شعر امریٔ القیس اوطرفة او ابن کلثوم او عنترة لیس من ھؤلاء الناس فی شیء - و انما ھو انتحال الرواة او اختلاق الاعراب اوصنعة النحاة او تکلف القصاص اواختراع المفسرین و المحدثین و المتکلمین -[۳۳]

ثانیاً اس لیے کہ بہ حیثیت ایک مسلمان اور جامعہ ازہر کا سند یافتہ ہونے کے انہوں نے ایسے مسلمات کی تغلیط کی جو صدیوں سے تسلیم کیے جا رہے ہیں - اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اپنا یہ نظریہ اپنے ماحول اور دین و مذہب کی تاثیر سے الگ ہو کر پیش کر رہے ہیں -

ڈاکٹر طٰہ کے اسباب شکوک کا لب لباب حسب ذیل ہے -

۱- اسلام سے پیشتر مختلف عربی قبائل کی زبان یکساں نہ تھی - خصوصاً بنی عدنان اور قحطان کی زبان میں کافی اختلاف تھا - اور پھر ایک ہی زبان بولنے والوں کے ہجوں میں بھی اختلاف تھا -

۲- مختلف قبائل اور گروہوں کو سیاست اس بات پر مجبور کیا کرتی تھی کہ وہ خود شعر کہہ کر انہیں اپنے آباؤ اجداد کی طرف منسوب کر دیں - اور اس طرح اُن کے فخر اور غلبہ و تقدم کو ثابت کریں -

۳- بعض مسلمانوں کو مذہب اس بات پر اُکساتا تھا کہ وہ جاہلی شعراء کی طرف ایسے اشعار منسوب کر دیں - جن سے یہ ظاہر ہو کہ عرب کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اسی طرح منتظر تھے جس طرح یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کا انتظار کرتے تھے - علاوہ ازیں اور مقاصد بھی پیش نظر ہوتے مثلاً کبھی قریش کو انصار کے خلاف اورکبھی انصار کو قریش کے خلاف اُبھارتے - اور ایک دوسرے کی ہجو کرتے اور قبل از اسلام مفاخر پر ایک دوسرے سے جھگڑتے -

۴۔ قصہ گوئی کی وسعت اور قدیم حکایات کا بیان جو عشق و حرب سے متعلق ہوتیں قصہ گوؤں کو اس بات پر آمادہ کرتا کہ وہ بطلِ قصہ اور بہادروں کے نام پر اشعار وضع کر کے حکایات میں داخل کر دیں۔

۵۔ عربی اور فارسی اور دیگر قوموں کے مابین جو رشک اور حسد تھا اس کی وجہ سے ہر گروہ اپنے اسلاف و اجداد کے کارناموں کو قدیم اشعار سے ثابت کرنا چاہتا تھا۔

۶۔ راویوں اور علماء میں حفظِ اشعار اور غریب الفاظ کی تفسیر و تشریح میں ایک دوسرے سے پیشدستی کی خواہش اور بعض نحوی قواعدِ پیش کرنے کی رغبت بھی وضع اشعار کا باعث ہوا کرتی تھی۔

شعر جاہلی کے متعلق ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی آرا کا یہ ملخص ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تنقیدی امور مفید ہیں مگر اس صورت میں جبکہ انہیں پورے غور و فکر سے استعمال کیا جائے۔ مگر بد قسمتی سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے انہیں ایک قاعدہ کلیہ کی طرح استعمال کر کے تمام جاہلی اشعار سے انکار کر دیا۔ اور پھر یہاں تک غلو کیا کہ مثلاً امرؤالقیس کے وجود سے ہی انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کا وجود رومی مؤرخین کی شہادت سے ثابت ہے۔ استاذ محمد لطفی نے الشہاب الراصد میں ڈاکٹر طٰہٰ کی کتاب پر خوب تنقید کی ہے[۳۴]۔

شعر جاہلی کے اغراض و فنون

۱۔ شعر قصصی یا ملاحم :

شعر قصصی سے مراد ایسے اشعار ہیں جن میں مختلف حوادث اور جنگی کارناموں اور معرکوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ عرب میں بڑے بڑے معرکے ہوتے رہے۔ جنگ و جدال کا بازار گرم رہا۔ لیکن باوجود اس کے عربی ادب میں شعر کی یہ قسم بالاستقلال موجود نہیں۔ البتہ بعض قصائد میں اس نوعیت کے چند اشعار آ گئے ہیں۔ مثلاً عمرو بن کلثوم اپنے معلقہ میں کہتا ہے۔

ابا ھند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا[۳۵]
بانا نورد الرایات بیضاً و نصدرھن حمراً قدروینا

پھر اسی قصیدے میں کہتا ہے۔

و کنا الایمنین اذا التقینا و کان الایسرین بنوا ابینا
فصالوا صولة فیمن یلیھم و صلنا صولة فی من یلینا
فآبوا بالنھاب و بالسبایا و ابنا بالملوک مصفدینا[۳۶]

حارث بن حلزہ اور عنترہ کے معلقوں میں بھی اس قسم کے اشعار موجود ہیں۔ لیکن ان قصصی اشعار میں یہ نقص ہے کہ ان میں نہ زمانے اور مکان کی قید ہے اور نہ صفاتِ اشخاص مذکور ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عربوں میں اس فن کا اہتمام نہ تھا۔

۲۔ شعر غنائی :

شعراء جاہلیت کا جو سرمایہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس کے پیشِ نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربی شعر دراصل شعرِ غنائی ہے اور عربوں نے شعر کی اس صنف میں بیحد اور بینظیر ترقی کی ہے۔ اور دنیا کی کوئی قوم اس فن میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ فخریہ جس طرح عرب کہتے ہیں۔ دوسری قومیں نہیں کہہ سکتیں۔ کیونکہ شجاعت، جانبازی، اقتحام حرب، آزادی، بیباکی، مہمان نوازی اور ایثار وغیرہ صفات عربوں کے ذاتی جوہر ہیں۔ اور عربی شاعر خود ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور اپنے ہی واقعات بیان کرتا ہے۔ چنانچہ سموأل اپنی وفا پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے :

و فیت بادرع الکندی انی اذا ما خان اقوام و فیت[۳۷]

عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ھند کے سامنے مفاخر میں باہمی مقابلہ کرتے ہیں تو عمرو بن کلثوم کہتا ہے :

اذا ما الملک سام الناس خسفاً   ابینا ان نقر الخسف فینا[۳۸]

پھر کہتا ہے :

الا لا یجھلن احد علینا   فنجھل فوق جھل الجاھلینا

اذا بلغ الفطام لناصبی   تخرلہ الجبابر ساجدینا[۳۹]

حارث بن حلزہ جواب میں کہتا ہے :

ایھا الناطق المبلغ عنا   عند عمرو وھل لذاک انتھاء[۴۰]

ھل علمتم ایام ینتھب النا   س غواراً لکل حی عواء

اذ رکبنا الجمال من سعف البحر   ین سیراً حتی نھانا الحساء

ثم ملنا علی تمیم فاحرمنا   وفینا بنات قوم اماء

اسی طرح وہ اپنے مفاخر بیان کرتا چلا جاتا ہے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے ایک وکیل یا خطیب کھڑا لیکچر دے رہا ہے ۔ لیکن ان شاعروں کے ہاں جولانگہ فخر محدود ہے ۔ اگر ایسا شاعر دیکھنا ہو جو صحیح معنوں میں فخر و حماسہ کا شاعر ہے اور معرکوں اور غزوات کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتا ہے اور اپنی زبان اور تلوار دونوں کے لحاظ سے شہسواروں کا سپہ سالار ہے تو وہ ابو الفوارس عنترہ ہے جس کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھائے ۔ دیکھیے اپنی شجاعت کیسے اچھوتے طریقے سے بیان کر رہا ہے ۔

و لقد شفی نفسی وابرأسقمھا   قیل الفوارس ویک عنتر اقدم[۴۱]

مقتولین کے سامان سے اپنے الگ تھلگ رہنے کو اس طرح بیان کرتا ہے ۔

لی النفوس وللطیر اللحوم ولل۔۔۔   وحش العظام و للخیالۃ السلب

عنترہ اپنی قوت گرفت سے خوب واقف تھا ۔ اور شجاعت اوصاف سے بخوبی آگاہ تھا ۔ اس لیے فتح کے اظہار کا ایک نیا طریقہ اختراع کیا ہے ۔ وہ پہلے اپنے دشمن

کو نہایت دلیر، شجاع، فنون جنگ میں ماہر ظاہر کرتا ہے ۔ پھر کہتا ہے کہ میں نے ایسے دلیر کو تلوار کے ایک ہی وار اور بھالے کے ایک ہی زخم سے موت کے گھاٹ آتار دیا ۔ چنانچہ اپنے ایک مدِمقابل کے متعلق کہتا ہے ۔

و مدجج کره الکماة نزاله لا ممعن هربا ولا مستسلم
جادت یدای له بعاجل طعنة بمثقف صدق الکعوب مقوم
فشککت بالرمح الاصم ثیابه لیس الکریم علی القنا بمحرم[۳۲]

ایک دوسرے بہادر کے متعلق کہتا ہے ۔

و مشک سابغة هتکت فروجها
بالسیف عن حامی الحقیقة معلم[۳۳]

عنترہ کے تمام اشعار میں کبر نفس کا وصف نمایاں ہے ۔ اس لیے ادباء ایسے اشعار کو شعر عنتری کے لقب سے یاد کرتے ہیں[۳۴] ۔

شعر غنائی کی ایک قسم کی غزل ہے ۔ چونکہ عشق و محبت کا جذبہ فطرت انسانی کا خمیر ہے ۔ اس لیے تمام دنیا کی شاعری میں عشقیہ شاعری متداول اور عام ہے ۔ اہل عرب کے نفوس میں بھی غزل سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی تھی ۔ بالخصوص نوجوانوں کی طبائع پر اس کا اثر گہرا ہوتا ہے ۔ مگر عربی اشعار میں اردو اور فارسی کی طرح غزل کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ عربی شاعر ہر قصیدے کے آغاز میں اپنے عشق و محبت کے واردات کا تذکرہ کرتا ہے اسی حصے کو تشبیب یا غزل کہا جاتا ہے ۔ جاہلیت میں اس فن کے ماہر مہلہل، عنترہ، سوید بن ابی کاہل یشکری، اور امرؤ القیس تھے ۔

طرفہ نے ایک حسین و جمیل چہرے کی اس طرح تعریف کی ہے ۔

و وجه کان الشمس القت رداءها علیه نقی اللون لم یتخدد[۳۵]

شعر غنائی کی ایک قسم مرثیہ بھی ہے اس میں مرنے والے کی موت پر اظہار

افسوس کیا جاتا ہے ، اُس کے مناقب کا ذکر ہوتا ہے ۔ اور چونکہ عربی شاعر اسے بطور تصنع نہیں کہتا بلکہ بوقتِ ضرورت کہتا ہے ۔ اور اُس وقت کہتا ہے جب اُس کے دل پر چوٹ لگتی ہے اس لیے اُس کے مرثیہ میں صحیح جذبات کا اظہار ہوتا ہے ۔ یہ چیز دوسری زبانوں میں موجود نہیں ۔ شعرا جاہلیت میں مرثیہ گوئی میں خنساء کو فوقیت حاصل ہے ۔ اپنے بھائی معاویہ اور صخر کی موت سے پہلے وہ شعر نہیں کہتی تھی ۔ لیکن اُن کی موت کے بعد اس کے دل سے تاثرات اور جذبات کا چشمہ پھوٹ نکلا ۔

یا عین مالک لا تبکین تسکابا   اذ راب دھر و کان الدھر ریابا[۳۶]

اس کے غم و اندوہ میں صبح و شام کسی وقت بھی اسے تسکین نہ ہوتی تھی ۔ چنانچہ کہتی ہے :

یذکرنی طلوع الشمس صخراً   و اذکرہ لکل غروب شمس

ولولا کثرۃ الباکین حولی   علی اخوانھم لقتلت نفسی

وما یبکون مثل اخی و لکن   أعزی النفس عنہ بالتاسی[۳۷]

جاہلی شاعروں میں خنساء کے بعد مرثیہ گوئی میں دوسرا نمبر مہلہل کا ہے اور تیسرا لبید کا ۔ مہلہل پہلے لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا ۔ مگر اپنے بھائی کلیب کی موت کے بعد غم و اندوہ کے تاثرات میں گھر گیا ۔ چنانچہ اُس کے مرثیہ میں ایک جگہ کہتا ہے :

اھاج قذاء عینی الاذکار   ھدوءاً فالدموع لھا انحدار

و صار اللیل مشتملاً علینا   کان اللیل لیس لہ نھار[۳۸]

لبید اپنے مرثیوں میں حکمیہ باتوں کا بہت استعمال کرتا ہے اس لیے ان میں تاثیر کم ہے ۔ اپنے بھائی اربد کے مرثیہ میں کہتا ہے ۔

بلینا و ما تبلی النجوم الطوالع
و تبقی الجبال بعدنا و المصانع

و ما المرء الا کالهلال و ضوئہ
یحور رماداً بعد اذھو طالع[۳۹]

شعرِ غنائی کی ایک قسم زھد بھی ہے جس میں دنیا کی بے ثباتی اور اس سے بے رغبتی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جاہلی شعراء میں اس کا علمبردار امیتہ بن ابی الصلت ہے۔ وہ اپنے ایک قصیدے میں کہتا ہے۔

و کل معشر لا بد یوماً ، و ذی دنیا یصیر الی زوال
و یفنی بعد جدتہ ویبلی سوی الباقی المقدس ذی الجلال[۴۰]

وصف بھی شعرِ غنائی سے ملحق ہے۔ لیکن اس سے مراد وضعی اشیاء کی تصویر نہیں بلکہ اس فن کی وہ نوع مراد ہے جو شاعر کے دلی جذبات کو متاثر کر کے موصوف کی ہیئت و وضع کی نگارش پر آمادہ کرتی ہے۔ اس فن میں امرؤالقیس عجیب و غریب صورتیں پیدا کرتا ہے۔ اور رات ، بارش ، گھوڑے اور برق کے وصف میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ اپنے معلقہ میں ایک جگہ کہتا ہے :

اصاح تری برقاً اریک و میضہ کلمع الیدین فی حبی مکلل
یضیء سناہ او مصابیح راھب امال سلیطاً بالذبال المفتل[۴۱]

علقمۃ الفحل کی شہرت نیل گائے کے وصف میں ہے۔ اور اوس بن حجر ، طرفہ ، اور عنترہ شراب کے وصف میں مشہور ہیں۔ عبدۃ بن الطبیب ، طرفۃ ، اور لبید ناقہ کے بہترین وصاف ہیں۔ بشر بن ابی عوانہ شیر کے وصف میں شہرت رکھتا ہے۔ تابط شرا غول بیابانی کا وصاف ہے۔ اور شنفری بارش کی رات میں بھوکے بھیڑئے کے حملے کے وصف میں شہرت رکھتا ہے۔

فن مدح کے امیر زہیر اور نابغہ ہیں ۔ اور ہجو کے فنون سے متلمس ، طرفة ، اور حُطیئہ بخوبی آشنا ہیں ۔ اور اس فن میں انہیں یدِ طولٰی حاصل ہے ۔[۵۲]

شعرِ حکمی

شعرائے جاہلیت میں ایسے شاعر کم نہیں جنہوں نے اپنے اشعار میں حکمت اور دانائی کے موتی نہ پروئے ہوں ۔ اور ضرب الامثال نہ بیان کی ہوں ۔ ایسے اشعار کو اُن کے آداب کا مجموعہ سمجھنا چاہیے لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ شعرِ حکمی سے اُن کے شخصی اور ذاتی تجربہ کا نتیجہ مراد ہے ۔ دیکھئے اگر زہیر کو عبس اور ذبیان کے درمیان صلح کرانے کا اہتمام نہ ہوتا تو وہ اپنے اشعار میں حکمیہ سلسلہ ذکر نہ کرتا جس نے اسے شعر میں ایک بلند مرتبہ اور اعلٰی مقام عطا ہے ۔ اور حضرت عمر جیسے ناقدِ فن نے صاف طور پر یہ فرمایا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر وہ ہے جو من ، ومن ، ومن کہتا ہے ۔ یہ زھیر بن ابی سُلمٰی کی طرف اشارہ ہے جس نے اپنے معلقہ میں کئی اشعار ”و من“ سے شروع کئے ہیں ۔ اور اُن میں اپنے تجربہ کی بنا پر بہت سی حکمیہ باتیں ذکر کی ہیں ۔ مثلاً کہتا ہے :

و من لا یصانع فی امور کثیرة یضرس بانیاب و یوطأ بمنسم

و من یک ذافضل فیبخل بفضله
علی قومه یستغنی عنه ویذمم[۵۳]

اسی طرح اگر طرفہ کا چچا اس کی حق تلفی نہ کرتا تو وہ یہ شعر نہ کہتا ۔

و ظلم ذوی القربٰی اشد مضاضة
علی المرء من وقع الحسام المهند[۵۴]

اور نہ آسے یہ شعر کہنے کی ضرورت ہوتی :

ستبدی لک الایام ما کنت جاهلاً
و یاتیک بالاخبار من لم تزود[۵۵]

علی ہٰذا القیاس شنفریٰ کا قصیدۂ لامیہ پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اُسے لوگوں کے اخلاق و عادات کا صحیح تجزیہ نہ ہوتا تو وہ اپنے اشعار میں حکمیہ اقوال لانے پر قادر نہ ہوتا ۔ چنانچہ علقمۃ الفحل نے چھٹی صدی عیسوی میں انسانی اخلاق کے متعلق جو بات کہہ دی ہے وہ بیسویں صدی میں ویسی ہی صحیح ہے ۔ چنانچہ لکھتا ہے :

فان تسالونی بالنساء فاننی بصیر بادواء النساء طبیب
اذا شاب راس المرء او قل مالہ فلیس لہ من ودھن نصیب[۵۶]

شعرِ تمثیلی

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امثال لقمانِ حمیری کے اشعار میں منظوم تھیں تو اس سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ عربوں کو شعر تمثیلی میں بھی دسترس تھی ۔ لیکن اس دعویٰ کی صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں ۔ اور نہ کسی دلیل قاطع سے یہ ثابت ہو سکا ہے کہ لقمان عربی النسل تھے ۔ با ایں ہمہ ہم جزماً یہ نہیں کہہ سکتے کہ شعر جاہلی امثال سے بالکل خالی ہے ۔ کیونکہ اشعارِ نابغہ میں ہمیں سانپ اور دو بھائیوں کی کہانی منظوم ملتی ہے ۔[۵۷]

تذکر انی یجعل اللہ فرصۃ
فیصبح ذا مال و یقتل واترہ

شعرِ جاہلی کی صفات

۱۔ خطابت :

جاہلی شاعر ہر چیز سے پہلے خطیب ہے ۔ اور اُس کے اشعار میں خطابت کے تما اوصاف موجود ہیں ۔ اگرچہ جاہلی اشعار میں ایسے خطبے موجود نہیں جن پر

خطابت کی تعریف پورے طور پر صادق آئے لیکن پھر بھی یہ وصف اُن میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اور عمرو بن کلثوم ، حارث بن حِلزہ اور زھیر بن ابی سُلمیٰ کے معلقات کا بہت بڑا حصہ اس کی تصدیق کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر ایک مکمل اور مؤثر خطبہ دیکھنا چاہیں تو وہ ابو آذینہ کے اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے جن میں وہ اسود بن منذر کو بعض آلِ غسانی امرا کے قتل پر ابھارتا ہے جنہیں اُس نے اپنے بھائی کے قتل کے بعد گرفتار کر لیا تھا۔ چنانچہ کہتا ہے :

ما کل یوم ینال المرء ما طلبا	ولا یسوغہ المقدار ما وھبا
و انصف الناس فی کل المواطن من	سقی المعادین بالکأس التی شربا
و لیس یظلمھم من راح یضربھم	بحد سیف بہ من قبلھم ضربا
والعفو الا عن الاکفاء مکرمۃ	من قال غیر الذی قد قلتہ کذبا
قتلت عمراً و تستبقی لزید لقد	رأیت رأیا یجر الویل و الحربا
لاتقطعن ذنب الافعی و ترسلھا	ان کنت شھماً فاتبع رأسھا الذنبا
ھم جردوا السیف فاجعلھم لہ جزرا	و او قدوا النار فاجعلھم لھا حطبا
ان تعف عنھم یقول الناس کلھم	لم یعف حلماً ولکن عفوہ رھبا[۵۸]

۲۔ فطرت و طبیعت :

شعر جاہلی کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ شاعر جو کہتا ہے اپنی طبیعت اور مذاق کے مطابق کہتا ہے وہ قواعدِ خطابیہ کا پابند نہیں ہوتا اور نہ انہیں جانتا ہے بلکہ ہر معاملے میں اس کی طبیعت ہی راہنمائی کرتی ہے۔ اور یہ وصف تمام جاہلی اشعار میں موجود ہے۔ جاہلی شاعر وہی باتیں ذکر کرتا ہے جو اس کی فطرت اور طبیعت تلقین کرتی ہے۔ وہ کسی محسوس چیز میں غور و فکر کر کے اُسے سمجھ لیتا ہے پھر اپنے شخصی جذبے سے متاثر ہو کر ایک مرغوب اور پسندیدہ منظر کو دیکھتا ہے اور اپنے الفاظ میں اس کی نہایت صحیح اور سچی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ اور اپنے اقوال میں ہر وقت امانت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں

کے اشعار اُن کی بدوی زندگی کی جیتی جاگتی اور سچی تصویر ہیں ۔ اُن میں اُن کی طبعی غزل ، الم انگیز مرثیے ۔ اور طفلانہ ادعائی افتخار بھی موجود ہے ۔

۳۔ تکمیل وصف :

جاہلی شعر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ شاعر جب کسی چیز کا وصف بیان کرتا ہے تو نہایت مکمل اور اتم طریقے سے بیان کرتا ہے اور چونکہ ان کے ہاں موصوفات کم تھے اس لیے شاعر اپنے تمام ملاحظات تکمیل صورت میں صرف کر دیتا ہے ۔ اور موصوف کی تمام جزئی صفات کا اس طرح احاطہ کرتا ہے کہ اس کی صورت مکمل طور پر سامنے آ جاتی ہے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا صحیح فوٹو لیا گیا ہے ۔ مثلاً بشر بن ابی عوانہ اپنے ، شیر اور تلوار کے وصف میں کہتا ہے :

وقلت لہ وقد ابدی نصالاً محددۃ ووجھا مکفھرا
یکفکف غیلۃ احدی یدیہ ویبسط للوثوب علی اخری
یدل بمخلب و بحد ناب و بالمخلفات تحسبھن جمرا
و فی یمنای ماضی الخد ابقی بمضربہ قراع الموت اثرا[۵۹]

اسی طرح نعمان کے کرم و جود کا ذکر کرتے ہوئے نابغہ نے دریائے فرات کے وصف کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے ۔

فما الفرات و ان جاشت غواربہ ترمی اواذیہ العبرین بالزبد
یمدہ کل واد مترع لجب فیہ رکام من الینبوت و الخضد
یظل من خوفہ الملاح معتصماً بالخیزرانۃ بعد الاین و النجد
یوماً باجود منہ سیب نافلۃ ولا یحول عطاء الیوم دون غد[۶۰]

علیٰ ہذا القیاس امرؤالقیس نے رات کی تعریف میں ، اور لبید ، عبدۃ بن الطبیب ، اور طرفۃ نے ناقہ کے وصف میں ، اور شنفری نے بھوکے بھیڑیے کی صفت میں موصوف

کی پوری پوری تصویر کھینچ دی ہے ۔

شعراء جاہلیت اوصافِ اشیاء میں جو تشبیہات استعمال کرتے تھے وہ بھی عام طور پر صورِ حسیہ سے ماخوذ ہوتی تھیں ۔ یعنی حیوانات و جمادات کی مختلف صور و ہیئات اور طبعی حوادث سے تشبیہات اخذ کرتے تھے ۔ مثلاً طرفہ کہتا ہے ۔

انا الرجل الضرب الذی تعرفونه
خشاش کرأس الحیة المتوقد[٦١]

اور عنترہ کہتا ہے :

یدعون عنتر و الرماح کانها   اشطان بئر فی لبان الادهم

اور بشر کہتا ہے :

هززت له الحسام فخلت انی   شققت به لدی الظلماء فجرا

بعض اوقات تشبیہ میں ایسا بھی کیا کرتے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کا ذکر کرنے کے بعد پھر مشبہ بہ کے وصف میں مشغول ہو جاتے ۔ اور اس کی ایک اور تشبیہہ بیان کر دیتے ۔ مثلاً اشعار ذیل میں طرفہ نے پہلے عورت کے ہودج کو جو اونٹ پر لدا ہوا ہے ایک بڑی کشتی سے تشبیہ دی ہے جسے ملاح چلاتا ہے اور وہ پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہے ۔ پھر اس کشتی کے پانی کو پھاڑنے کی ایک اور تشبیہ بیان کر دی ۔ چنانچہ کہتا ہے :

کان حدوج المالکیة غدوة   خلایا سفین بالنواصف من دد
عدولیة او من سفین ابن یامن   یجوربه الملاح طوراً و یهتدی
یشق حباب الماء حیزومها بها   کما قسم الترب المفایل بالید[٦٢]

۴۔ تلمیح و اکتفا :

جاہلی شعر کا ایک اور وصف بھی ہے جسے تلمیح و اکتفا کہتے ہیں ۔ یعنی

شاعر موصوف کے اوصاف میں سے چند ذکر کر کے باقی صفات کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ یا کسی قصے کی ایک جزئی اس طرح بیان کرتا ہے جس سے باقیماندہ قصہ بتامہ معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

ابا ھند فلا تعجل علینا و انظرنا نخبرک الیقینا
بانا نورد الرایات بیضاً و نصدرھن حمرا قد روینا

دوسرے شعر میں مقتولین معرکہ کے وصف میں صرف اتنا ہی بیان کیا کہ ہم اپنے جھنڈوں کو خون سے رنگ دیتے ہیں۔ یا مثلاً عنترہ اپنے گھوڑے کے متعلق کہتا ہے:

فرمیت مھری فی العجاج فخاضہ
و النار تقدح من شفار الانصل

خاض العجاج محجلا حتی اذا
شھد الوقیعۃ عاد غیر محجل

دوسرے شعر میں معرکہ کی خونریزی کے متعلق صرف اتنا ہی بیان کیا ہے کہ میرا گھوڑا جب میدانِ جنگ سے واپس آیا تو اس کے پاؤں جو سفید تھے خون سے رنگین ہو چکے تھے۔ اب اس سے جنگ کی ہولناکی اور کثرت خونریزی کا علم ہو سکتا ہے۔ یا مثلاً نابغہ بنی غسان کی مدح میں کہتا ہے:

اذا ما غزوا بالجیش حلق فوقھم
عصائب طیر تھتدی بالعصائب

اس شعر کے مضمون سے یہ ظاہر ہے کہ دشمن بہت قتل ہوئے کیونکہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ وہیں اڑتے ہیں جہاں مقتولین کی کثرت ہو۔

۵- ایجاز :

جاہلی شعراء کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ ادائے مطلب میں ایجاز کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے یعنی اپنا مطلب ادا کرنے کے لئے جس قدر کم الفاظ ممکن ہو سکتے ہیں وہی استعمال کرتے ہیں ۔ دیکھئے حارث بن حلزہ کوچ کی تیاری کو کس ایجاز سے بیان کرتا ہے :

اجمعوا امرهم عيشاء فلما اصبحوا اصبحت لهم ضوضاء

من مناد و من مجيب و من تصـ--- هال خيل خلال ذاك رغاء

چونکہ عرب جاہلیت سادگی کا نمونہ تھے اور گہری سوچ بچار میں پڑنے کے عادی نہ تھے ۔ اس لئے وہ ایسے تکلفات باردہ میں اپنا وقت ضائع نہ کرتے تھے جن کی انہیں ضرورت نہ ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ آن کا کلام لفظی آرائشوں اور بیانی زیبائشوں سے مبرا ہوتا تھا ۔ متاخرین جن صنائع و بدائع میں مصروف رہتے ہیں آن کے اشعار آن صنعتوں سے خالی نظر آتے ہیں ۔ بعض جگہ ان کے کلام میں مبالغہ ضرور ہے لیکن غلو اور اغراق کی حد تک نہیں پہنچتا ۔

۶- فحش الفاظ :

شعر جاہلی میں یہ عیب ضرور ہے کہ بعض اوقات اس عہد کے شاعر ایسے الفاظ استعمال کر جاتے ہیں کہ موجودہ تمدن کا ادب ان کی اجازت نہیں دیتا ۔ لیکن غالباً اس زمانے میں یہ امر معیوب نہ سمجھا جاتا ہوگا ۔ اس زمانے میں جن اشیاء کی طرف محض اشارے اور تلمیح کو کافی سمجھا جاتا ہے وہ لوگ مخصوص ناموں سے آن کا ذکر کر دیتے تھے ۔ چنانچہ امرؤ القیس اور طرفہ وغیرہا کے اشعار میں اس قسم کی بے احتیاطی موجود ہے لیکن زمانے کا مذاق مختلف ہوتا ہے ۔ ایک ہی امر کا ذکر ایک زمانے میں برا معلوم نہیں ہوتا ۔ مگر دوسرے زمانے میں قبیح خیال کیا جاتا ہے ۔

مذکورہ ابحاث کا لبِ لباب یہ ہے کہ شعرِ جاہلی میں سادگی اور واقعیت ہوتی ہے - بیحد مؤثر ہوتے ہیں - ان میں اوصافِ موصوف کی تکمیل کا پورا اہتمام ہوتا ہے - تشبیہات قدرتی اور نیچرل ہوتی ہیں - جس کا مقصد اور مطلب کا بیان منظور ہوتا ہے اس کے لئے جچے تلے موزوں الفاظ لاتے ہیں - تصنع اور تکلف اور صنائع بدائع سے خالی ہوتے ہیں - ان میں غیر مانوس الفاظ ضرور ہوتے ہیں جو ان دنوں عام طور پر رائج ہوں گے لیکن بعد ازاں ان کی بجائے آسان الفاظ اختیار کر لئے گئے اور یا ان الفاظ کے مدلولات اور معانی استعمال میں نہ رہے -

حوالہ جات

۱- احمد سکندری ، عنانی : الوسیط الطبع السادس عشر - مطبوعہ مصر : ۴۳
۲- فواد البستانی : الروائع
۳- جرجی زیدان : آداب اللغۃ العربیہ مطبوعہ مطبع الہلال ۱۹۳۶ء مصر : جلد اول : ۶۷
۴- شنقیطی : المعلقات العشر : مطبوعہ مصر ۱۳۴۵ھ : ۱۱۰
۵- سیوطی : المذہر مطبوعہ مصر ۱۲۸۲ھ : ۲۳۸
۶- ایضاً
۷- یعقوبی - التاریخ الکبیر جلد اول
۸- ایضاً
۹- ایضاً
۱۰- ایضاً
۱۱- ایضاً
۱۲- مرزوق : الازمنہ و الامکنہ
۱۳- تاج العروس - زیر مادہ عکظ
۱۴- شبلی نعمانی : سیرۃ النبیؐ طبع اول : جلد اول : ۱۱۴ - ۱۳۲
۱۵- فواد البستانی الروائع نمبر ۲
۱۶- جرجی زیدان - آداب اللغۃ العربیہ جلد اول : ۵۷
۱۷- جمحی : طبقات الشعرا مطبوعہ مصر ۲۱
۱۸- حسان : دیوان : مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ

١٩- القرآن ٢ : ٢٠٠

٢٠- صاحب قاموس لکھتے ہیں : عکاظ سوق بصحراء بين النخل و الطائف كانت تقوم هلال ذى القعدة و تستمر عشرين يوما تجتمع قبائل العرب فيهما كظون اى يتفاخرون ويتناشدون ۔

٢١- فواد البستانی : الروائع نمبر ٢

٢٢- نکلسن : لٹریری ہسٹری آف دی عربز

٢٣- ایضاً

٢٤- فواد البستانی : الروائع نمبر ٢

٢٥- ابن رشيق : العمده مطبوعه مصر ١٩٠٧ء : ٥

٢٦- ابن قتيبه : الشعر و الشعراء مطبوعه ليڈن : ١٣٩

٢٧- ایضاً

٢٨- فواد البستانی : الروائع

٢٩- ابن قتيبه : الشعر و الشعراء : مطبوعه ليڈن

٣٠- فواد البستانی ۔ الروائع

٣١- ابن قتيبه : الشعر الشعراء ۔ مطبوعه ليڈن

٣٢- جاحظ كتاب الحيوان مطبوعه مصر

٣٣- ڈکٹور طٰه حسين : فى الادب الجاهلى ، مصر مصر ١٩٢٧ء : ٦٣

٣٤- محمد لطفى : الشهاب الراصد : مطبوعه مصر

٣٥- فيض الحسن ، رياض الفوض

٣٦- ایضاً

٣٧- ابن قتيبه : الشعر و الشعراء : مطبوعه ليڈن

٣٨- المعلقات العشر ۔ مطبوعه بيروت : ١٠٥

٣٩- ایضاً

٤٠- فواد البستانی - الروائع نمبر ٢

٤١- ابن قتيبه : الشعر و الشعراء مطبوعه ليڈن

٤٢- فواد البستانی : الروائع نمبر ٢

٤٣- ایضاً

٤٤- ابن قتيبه : الشعر و الشعراء مطبوعه ليڈن

٤٥- فواد البستانی ۔ الروائع نمبر ٢

٤٦- ايضاً

٤٧- ابن قتيبه : الشعر و الشعراء مطبوعه ليڈن

٤٨- ايضاً

٤٩- فواد البستانى - الروائع نمبر ٢

٥٠- ابن قتيبه - الشعر و الشعراء مطبوعه ليڈن

٥١- امرؤ القيس : ديوان - مطبوعه بيروت : ١٩١٠

٥٢- فواد البستانى - الروائع نمبر ٢

٥٣- شعراء النصرانيه مطبوعه بيروت

٥٤- فواد البستانى - الروائع نمبر ٢

٥٥- ايضاً

٥٦- ايضاً

٥٧- ايضاً

٥٨- ايضاً

٥٩- ايضاً

٦٠- شعراء النصرانيه : ١

٦١- فواد البستانى - الروائع

٦٢- ايضاً